نظرات

جمیل مہدی

اس سے زیادہ دلدوز خبر، مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے وصال کے بعد ندوۃ المصنفین ماہنامہ برہان کے لئے کوئی دوسری نہیں کہ ۲۴ر مئی کو مولانا سعید اکبر آبادی کا کراچی میں انتقال ہوگیا۔ إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۝

مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی رحلت، علمی، ادبی، اور دینی، اور صحافتی دنیا کا ایک ایسا نقصان ہے، جس کی تلافی کی کوئی صورت بظاہر موجود نہیں ہے — وہ ان نادر شخصیتوں میں سے جن کے اندر قدیم اور جدید علوم جمع ہو جاتے ہیں، اور وہ زمانہ کو اپنی خداداد ذہانت اور طبائع کی روشنی سے منور کرنے کا ایسا عظیم الشان کام انجام دیتے ہیں، جو قدیم علوم کے ماہرین اور جدید علوم کے علمبرداروں سے الگ الگ صورت میں ممکن نہیں، مولانا سعید احمد اکبر آبادی ایک طرف علامہ انور شاہ کشمیریؒ کے ذریعہ اور واسطے سے، اس سلسلۃ الذہب سے منسلک نظر آتے ہیں، جو اسرار علوم نبوت کے محرموں اور فقہ وحدیث کے بالغ نظر، عالموں، اسلامی شرع اور دینی کمالات کے حامل شخصیتوں کا ایک ایسا

رہے، جن نے دینی علوم کو تحقیقی صلاحیتوں کے قالب میں ڈھال کر ہر زمانہ اور
ہر کے مطابق بنانے اور اس کی رہنمایانہ استعداد قائم رکھنے میں ناقابل فراموش
ر لیا۔ دوسری طرف سے وہ جدید علوم سے پوری طرح واقف، اور دنیا میں سائنسی
صنعتی اور معاشی انقلابات کے اثرات و نتائج سے مکمل طور پہ باخبر اور نئے زمانے
تقاضوں کا پورا شعور رکھنے والے ایک دانشور تھے۔ جو قدیم علوم کی آب و
، مذہبی روایات کے تقدس کی برقراری اور اصول و احکام و دین کی پاسداری
نگہبانی کا فرض آدھی صدی سے بھی زیادہ مدت تک انجام دیتے رہے۔ وہ ایک
مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ، مولانا حفظ الرحمن سیوہاردیؒ، مولانا محمد یوسف بنوریؒ
محمد شفیع دیوبندیؒ، قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (تعالیٰ اللہ عمرہٗ) مولانا
لی لاہوریؒ، اور مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، جیسے نابغۃ العصر اور فقیہہ المثال
ین علوم شریعت اور رہنمایانِ دین و ملت کی بزم کے ممتاز رفیق، اور مولانا آزادؒ،
نا مدنیؒ، مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاوی جیسے عبقریوں کے ہمجلیس
وشہ چین تھے۔ دوسری طرف ان کا تعلق ان تمام مشاہیر، مستشرقین اور جدید علوم
ممتاز ماہرین سے جنہوں نے بیسویں صدی میں اپنی ذہانت اور قدیم علوم کی جدید
یہات اور تطابق کی شمعیں جلائیں۔ اور ایک دنیا کو ان کی روشنی سے اپنے ذوق کی
ین اور عقائد کے استقرار و استحکام میں مدد پہنچائی۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادی کے فیضان علمی اور اثرات شخصی کا سلسلہ ہندوستان
محدود نہیں تھا، بلکہ ان کی عظیم شخصیت کی کرنیں، قومی، سیاسی اور ملکی حدود کو
ر مہذب دنیا کے سبھی علمی اور مذہبی حلقوں تک پھیل گئی تھیں۔ وہ ہندوستان کے
ہ پاکستان، انگلینڈ، امریکہ، جرمنی، فرانس، کینیڈا، ملیشیا، انڈونیشیا کے
اور تحقیقی حلقوں میں بھی ایک جانی پہچانی شخصیت سمجھے جاتے تھے، اور ان کا

تمام عزت اور احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ وہ ایک برگزیدہ محقق اور دینی علوم کے ماہر دانشور کی حیثیت سے دنیا کے اکثر ملکوں کا دورہ کر چکے تھے۔ اور ان ملکوں کے دینی، مذہبی، علمی اور تحقیقی حلقوں میں اپنی ذکاوت، ذہانت، تبحرِ علمی اور تحقیقی صلاحیت کی دھاک جما چکے تھے۔ وہ ہندوستان کی ایسی علمی شخصیتوں میں ایک ممتاز دینی شخصیت تھے جو دنیا بھر میں معروف اور جانی پہچانی شخصیتیں سمجھی جاتی ہیں۔

ہندوستان کے اہم دینی، علمی اور تہذیبی اداروں سے ان کا تعلق رہا۔ وہ مدرسہ عالیہ کلکتہ، دارالعلوم دیوبند اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ دینیات کی سربراہی سے لیکر دارالعلوم دیوبند کی مجلسِ منتظمہ تک کی رکنیت تک وہ ایک باعزت مقام اور قابلِ احترام حیثیت کے مالک رہے، دہلی کے مشہور اسٹیفن کالج کے بھی وہ پروفیسر رہے۔ جہاں پاکستان کے موجودہ صدر جنرل ضیاء الحق سمیت طالب علموں اور متعلموں کی ایک کثیر تعداد نے ان کی علمی شخصیت سے فیضان حاصل کیا۔ اور اپنے ذہنوں کو ان کے چشمۂ علوم و ذہانت سے سیراب کیا۔

یوروپ اور امریکہ کی متعدد یونیورسٹیوں نے انکے علمی اور دینی کمالات کے اعتراف سے انہیں وزیٹنگ پروفیسر کے اعزاز سے نوازا، اور انہوں نے دنیا کی مشہور یونیورسٹیوں کے علوم شرقیہ کے حلقوں کو اپنے خیالات اور علمی موشگافیوں سے متاثر کیا۔ وہ دنیا کے مختلف ملکوں میں ہونے والے بیشمار علمی مباحثوں، سیمیناروں اور علمی و دینی کانفرنسوں میں شریک ہوئے اور مستقل رکن کی حیثیت سے متعدد عالمی انجمنوں اور اداروں میں شریک کئے گئے۔

دارالعلوم دیوبند، ان کی مادرِ علمی، ندوۃ المصنفین، ان کا آشیانہ، ماہنامہ برہان، ان کے ذہن کا ترجمان اور ساری دنیا ان کی پرواز کی زد میں رہی۔

ندوۃ المصنفین اور ماہنامہ برہان، ان کے اصل مرکز علمی کی حیثیت سے آخر تک ان کے ساتھ رہے، انہوں نے مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے علمی کاموں کے شریک، تصنیفی اور تحقیقی کاموں کے سہیم اور ان کے ذہن و فکر کے امین کی حیثیت سے اپنے علمی وقار اور ندوۃ المصنفین کی شہرت کو چار چاند لگانے میں ناقابلِ فراموش حصّہ لیا۔

مولانا سعید احمد اکبر آبادی ندوۃ المصنفین کے رفیق اور ماہنامہ برہان کے مدیر ہی نہیں تھے، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے دست راست، بلکہ ایک بھائی کی حیثیت سے ان کی زندگی تک ایسے اعلیٰ مقام پر فائز رہے جن پر مفتی صاحب کی تمام شفقتیں برادرانہ تعلق، اور جذباتی محبتیں نچھاور ہوتی ہوئی محسوس ہوتی تھیں۔ ندوۃ المصنفین کے قیام اور اور اس ادارہ کو ہندوستان کا سب سے بڑا علمی، تحقیقی، اور تصنیفی مرکز کی شکل میں تبدیل کرنے کے منصوبہ میں لاریب ــــ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے سوا کوئی شریک نہ تھا لیکن اس حقیقت میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ ندوۃ المصنفین کو ایک ممتاز اور باوقار علمی اور دینی ادارہ کی آب و تاب اور عزو احتشام دینے میں مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کا حصّہ سب سے زیادہ رہا۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اگر مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ اور مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کی رفاقت اور دست گیری کا یقین نہ ہوتا تو اس عظیم الشان اقبال اور منصوبہ کی عملی جامہ پہنانے کی ہمت ہی وہ بمشکل کر سکتے تھے۔ جہاں تک مفتی صاحب کی عزیمت اور استقلال کا سوال ہے، اس کا ثبوت ۱۹۴۷ء کے ان فرقہ وارانہ فسادات کے زمانہ میں غیر مشکوک انداز میں سامنے آیا۔ جب کہ ان فسادات کی آگ کی لپٹیں دہلی کی قدیم تہذیب اور سماجی نظام کے ساتھ ندوۃ المصنفین تک کی چار دیواری تک بھی پہنچیں۔ اور وہ اس بری طرح ان کی زد میں آیا کہ لاکھوں روپیہ کی کتابیں جل کر خاک ہوگئیں اور بربادی اس

خوف ناک حد تک پہنچی کہ تن کے کپڑوں کے سوا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کے پاس اثاثہ کے نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہی۔ اور وہ ندوۃ المصنفین کی قرول باغ کی جلی ہوئی عمارت سے معجزانہ طور پر محفوظ اور صحیح وسالم پرانی دہلی پہونچ گئے۔ یہ وقت جو بلاشبہ ہندوستان میں مسلمانوں کے مستقبل کے بارے میں بھی مجسم طور پر سوالیہ نشان بن کر کھڑا ہو گیا تھا، ندوۃ المصنفین کی زندگی اور موت کے بارے میں بھی فیصلہ کن وقت تھا اور یہ وہ وقت تھا کہ ایک مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے علاوہ ندوۃ المصنفین کے احیاء جدید اور جلے ہوئے تنکوں سے آشیانہ کی تعمیر نو کی ہمت کسی کے اندر باقی نہ رہی تھی۔ اور ہم اس کے چشم دید گواہ ہیں کہ جب مفتی صاحبؒ نے دوبارہ ندوۃ المصنفین کے شیرازہ کو جمع کرنے کی تجویز رکھی تو مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ کے ساتھ مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ بھی حیرت زدہ دکھائی دینے لگے۔ لیکن مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے عزم، حوصلہ اور استقامت نے دوبارہ اس ناممکن کام کو ممکن کر دکھایا۔ جسے اس وقت بلا استثناء سبھی لوگ ناممکن سمجھ رہے تھے اور اس بارے میں کامیابی سے مایوس تھے۔

مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کی مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کے ساتھ تعلق کی داستان بلامبالغہ آدھی صدی سے بھی زیادہ مدت کا احاطہ کرتی ہے۔ اور کلکتہ سے دہلی تک کی غیر منقطع ہم نشینی کی مدت تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس تعلق کی خود نوشت کہانی مولانا اکبرآبادیؒ نے برہان میں مفتی صاحبؒ کی وفات کے بعد شروع کی تھی، جو افسوس ہے کہ خود انکی وفات سے ناممکن رہ گئی۔ تاہم ہم جیسے مشاہدوں کی نظر سے بھی وہ والہانہ تعلق، جذباتی وابستگی اور ذہنی ہم رنگی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ جو مفتی صاحب کو مولانا اکبرآبادیؒ کے ساتھ تھی۔ وہ بلامبالغہ مولانا اکبرآبادیؒ کو اپنا عزیز بھائی، اپنا دست و بازو، اور اپنے خاندان کا ایک فرد، ہر معنوں میں سمجھتے تھے۔ آخر عمر میں، دارالعلوم کے مسئلہ پر، دونوں

کے درمیان نظریاتی ہم آہنگی میں کچھ فرق ضرور آگیا تھا لیکن کچھ تو مفتی صاحبؒ کے صاحب فریش ہو کر سرگرم اور عملی سرگرمیوں سے الگ تھلگ ہو جانے اور کچھ محبوبیت اور رفاقت کے اس مضبوط رشتے کی وجہ سے، جس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ جذباتی تعلق میں ذرا بھی فرق نہیں آیا اور دل سوزی اور دل ربائی کی کیفیت آخر تک باقی رہی۔

مفتی صاحب کی رحلت کے بعد، مولانا سعید اکبر آبادیؒ کی صحت میں کبھی فرق آگیا تھا، اور قوائے جسمانی میں انحطاط کے آثار نمایاں ہو گئے تھے۔ عوارض اور کمزوری نے ان پر اس درجہ قابو پا لیا تھا کہ وہ مفتی صاحبؒ کی شخصیت پر اپنا وہ تعزیتی مضمون بھی مکمل نہ کر سکے، جس کا سلسلہ انہوں نے برہان میں شروع کیا تھا۔ آخر عمر میں انہیں اپنے جوان لڑکے کی موت کا صدمہ دیکھنا پڑا، جو ان کے لئے عملی طور پر ناقابل برداشت ثابت ہوا۔ اور ان کے مرض کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ چند مہینے پہلے وہ بغرض علاج اپنے اہل خاندان کے پاس کراچی چلے گئے۔ جہاں کینسر کے موذی مرض کی تشخیص ہوئی۔ اور اسی مرض سے ۲۴ مئی کو ان کا انتقال ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے۔ ان کے ساتھ رحم معاملہ کرے اور انہیں اپنی رحمتوں کے سایہ میں جگہ دے۔ آمین

ندوۃ المصنفین کے سلسلے میں ہم نے ۱۹۴۷ء کے حالات کا تذکرہ اس مقصد کے تحت کیا ہے۔ کہ جس طرح مفتی صاحبؒ کی زندگی میں، دہلی میں پھوٹ پڑنے والے فرقہ وارانہ فسادات، اور تقسیم ملک کے بعد کے حالات نے ندوۃ المصنفین کی زندگی اور موت کا سوال پیدا کر دیا تھا، وہی صورت (۳) ادارے کو مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ کی وفات اور اب مولانا سعید احمد اکبر آبادیؒ کے بعد ندوۃ المصنفین کے مستقبل کو در پیش ہے۔ مفتی عتیق الرحمٰن عثمانیؒ نے اپنی حیات میں جب شمارہ مرتبہ ندوۃ المصنفین

کے مستقبل کے بارے میں تشویش ظاہر کی، اور ہر بار انہوں نے اس نکتہ پر گفتگو کو ختم کر دیا کہ

"ندوۃ المصنفین جیسے ادارے بار بار نہیں بنتے، ایک بار یہ ادارہ برباد ہو گیا تو دوبارہ ایسا ادارہ قائم ہونے کی کوئی امید نہیں۔"

اس سلسلے میں اطمینان کی ایک بات یہ ہے کہ عزیزی عمید الرحمٰن عثمانی نے مفتی صاحب کی زندگی میں ہی ندوۃ المصنفین کا اہتمام اور انتظام سنبھال لیا تھا اور اس فرض کو ایسی قابلیت اور ذمہ داری کے ساتھ انجام دیا کہ مفتی صاحبؒ کی زندگی کے آخری لمحات ندوۃ المصنفین کے سلسلے میں یک گونہ بے فکری کے ساتھ گذرے اور اس عرصے میں ندوۃ المصنفین کے کاموں میں نہ صرف کوئی فرق نہیں پڑا بلکہ عمید الرحمٰن عثمانی کے حسن انتظام کے بہتر آثار بھی نمایاں طور پر سامنے آئے۔ بہت سی کتابیں نئی صوری خوبیوں کے ساتھ منظر شہود پر آئیں۔ اور اس کے تجارتی دائرے میں بھی وسعت پیدا ہوئی۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی کہ عمید الرحمٰن نے معاملات اور حالات پر مکمل قابو پانے کی ایسی صلاحیت کا مظاہرہ کیا جو خوش آئند بھی تھا اور امید افزا بھی۔ اس صورت حال میں سب سے زیادہ ضروری بات یہ ہے کہ ندوۃ المصنفین انکے انتظام اور ان ہی کی نگرانی میں بدستور چلتا رہے۔ اور کوئی ایسی صورت پیدا نہ ہو جو چلتے چلاتے ادارے میں برہمی اور ابتری پیدا کرنے کا باعث بن سکے۔

ہمیں امید ہے کہ ندوۃ المصنفین کے بہی خواہ اور متعلقین اس ادارے کے تحفظ کی ذمہ داری محسوس کریں گے اور مفتی صاحبؒ کے اہل خاندان بھی مفتی صاحبؒ کی اس حقیقی یادگار، اور ہندوستان کے ممتاز علمی اور اشاعتی ادارے کو قائم رکھنے اور ترقی دینے میں پورے جذبۂ خلوص اور سنجیدگی کیساتھ عزیزی عمید الرحمٰن کا ہاتھ بٹائینگے جس کیلئے مفتی صاحبؒ کے الفاظ سے بہتر کوئی الفاظ ہمیں نہیں ملتے کہ ندوۃ المصنفین جیسے ادارے بار بار نہیں بنتے۔" اسلئے سب کی کوشش یہی ہونی چاہیئے کہ یہ ادارہ قائم رہے۔